

## عدالت صحابہؓ

== ملک غلام علی صاحب ==

ایک بنیادی مقالہ | مولانا مودودی نے اپنی کتاب "خلافت و ملکیت" کی ایک ضمنی بحث میں جو کچھ امیر معاویہؓ کے متعلق لکھا تھا اور اس کی تردید و تنقید میں جو کچھ "البلاغ" میں چھپا ہے میں اس پر اپنی تفصیلی گزارشات "ترجمان القرآن" کے صفحات میں پیش کر چکا ہوں۔ اس سلسلے کی آخری قسطی زبرد کی ملی عہدی کے متعلق ذوالحجہ ۱۳۸۹ھ کے شمارے میں شائع ہوئی ہے۔ اگرچہ اس ضمن میں چند مزید توضیحات، بالخصوص "البلاغ" جمادی الاخریٰ کے مندرجات کا جواب میرے ذمے باقی تھا، مگر اس سلسلے کو طول دینا بوجہ میں نے مناسب نہیں سمجھا، اس لیے میں اب اس بحث کو سمیٹ دینا چاہتا ہوں۔ البتہ مدیر "البلاغ" نے اصولی مباحث کے زیر عنوان "عدالت صحابہ" کے مسئلے پر آخر میں جو کچھ لکھا ہے اس سے ایک حد تک تعرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، جب سے کتاب "خلافت و ملکیت" معرض وجود میں آئی ہے، بعض حضرات نے بڑے زور شور سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس میں جو واقعات درج کیے گئے ہیں ان سے صحابہ کرامؓ کی عدالت مجروح ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں عدالت صحابہ کا ایک ایسا تصور و نظریہ پیش کیا گیا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے متعلق اہل سنت کے عقیدہ عصمت سے فی الحقیقت کچھ بھی مختلف نہیں ہے، بلکہ صحیح تر بات یہ ہے کہ یہ شیعہ حضرات کے اس عقیدہ عصمت کے مشابہ ہے جو وہ اپنے ائمہ معصومین کے بارے میں رکھتے ہیں۔

ان معترضین کا اس کے ساتھ ایک مزید اعتراض یہ بھی ہے کہ ہم تک علم دین، یعنی کتاب و سنت پہنچنے کا ذریعہ و واسطہ صحابہ کرامؓ ہی تو ہیں، کبیرہ گناہوں اور جرائم کا الزام ان کے سر تھوپ دینے کے بعد آخر روایت قرآن و حدیث کے معاملے میں انہیں فرشتہ تسلیم کر لینے کی کیا وجہ ہے؟ اس عجیب و غریب استدلال میں جو مقالے مضمون ہیں ان پر مفصل بحث کرنے سے پہلے میں ان حضرات سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔

وہ سوال یہ ہے کہ کیا ان میں سے کسی صاحب نے کتاب اللہ کی آیات اور اس کے رسول کے ارشادات کو براہ راست کسی صحابی رسول سے سنایا پڑھا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ سارے متعرضین بشمول مدیر البلاغ تابعین کی صف میں داخل نہیں ہیں بلکہ بیچ میں راویوں کا ایک نہایت طویل سلسلہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روایت حدیث اور تبلیغ دین کے لیے عدالت کا جو معیار آپ صحابہ کرام کے لیے وضع فرما رہے ہیں کیا اس کو آپ پورے سلسلہ رواۃ پر نافذ اور چسپاں کریں گے یا نہیں؟ اگر نہیں تو آخر کیوں نہیں؟ ہم میں سے کسی شخص پر بھی نصوص کتاب و سنت نہ جبریلؑ نے اتاری ہیں، نہ بذریعہ وحی نازل ہوئی ہیں، نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ کرام کا شرف مصاحبت و ملاقات ہمیں حاصل ہے۔ بہر حال کچھ غیر صحابی اور غیر تابعی لوگ ہی تھے جنہوں نے یکے بعد دیگرے اس دین کی امانت کو ہم تک پہنچایا ہے۔ اس لیے میری یہ درخواست ہے کہ براہ کرم ہوا میں بلند پروازی اور ملک پیمائی کرنے کی سعی نہ فرمائیں اور روایت بین کے لیے عدالت و ثقاہت کا ایک ایسا پیمانہ اور معیار اختیار فرمائیں جس پر بیچ کے لوگ بھی پورے اتر سکیں۔ صرف قرآن کو ماخذ و حجت دین سمجھنے والے تو لو ائزامت کی آڑ ایک حد تک لے سکیں گے، لیکن ہم جو احادیث کو بھی ماخذ دین جانتے ہیں اور غیر متواتر و آحاد سے بھی دین اخذ کرتے ہیں، ہمیں بہر حال عقل سلیم سے کام لینا چاہیے اور راویان حدیث کی تعدیل و توثیق کے لیے ایسے اوصاف پر اصرار نہ کرنا چاہیے جن سے معاشرہ انبیاء کے سوا کوئی دوسرا گروہ منقعت نہیں ہو سکتا۔ اور یہ حقیقت میں عنقریب ہی واضح کر دیں گے کہ عدالت صحابہ اور الصحابہ کلہم عدول کی بحث کی ضرورت بھی روایت حدیث ہی کے ضمن میں پیش آئی ہے، ورنہ عقاید ضرور اذایا نیات سے یہ مسئلہ براہ راست متعلق نہ تھا۔

**عدالت کی تعریف** | اس ضروری تمہیدی گزارش کے بعد اب میں مسئلہ عدالت کے دوسرے پہلوؤں پر بحث کروں گا۔ عدل اور عدالت کے الفاظ عربی زبان میں انصاف، بے لوثی اور راستبازی کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں، اور بعض اوقات ”عدل“ کا لفظ اسم فاعل کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے جس کا اطلاق ایسے شخص پر ہوتا ہے جو عادل، راست باز اور قابلِ اعتماد ہو۔ قرآن مجید، سورہ ماائدہ، آیت ۹۵ اور آیت ۱۰۶ میں ذَوَّعَدْلٍ سے مراد دو صاحبِ عدل ثالث یا گواہ ہیں اور ان آیات کا اصل تعلق روایت کے بجائے شہادت

یا حکم سے ہے۔ روایت اور شہادت میں بعض لحاظ سے فرق ہے، مثلاً نابالغ یا ایک عورت کی شہادت اکثر حالات میں قابل قبول نہیں، حالانکہ اس کے برعکس صاحب تمیز لڑکے اور تنہا عورت کی روایت حدیث معتبر ہے۔ تاہم محدثین کے ہاں یہ امر مسلم ہے کہ راوی حدیث کو صفت عدالت سے منصف ہونا چاہیے۔ اس کے بعد یہ معلوم کرنا ضروری ہو گا کہ محدثین نے عدالت کا کیا مفہوم متعین فرمایا ہے۔ عدالت کی کوئی قطعی اور اصطلاحی تعریف چونکہ کتاب و سنت میں مذکور نہیں ہے اس لیے اصولیین نے عدالت کی جو شرح بیان کی ہیں ان میں تھوڑا بہت اختلاف ہے۔ لیکن ان میں قدر مشترک بآسانی معین ہو سکتی ہے۔ میں سب سے پہلے حافظ ابوبکر احمد خطیب بغدادی کی کتاب الکفایہ فی علم الروایہ، باب الکلام فی العداۃ والحقا، سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ خطیب بغدادی کے متعلق یہ مقولہ مشہور ہے کہ ان کے بعد آنے والے جملہ محدثین ان کے خوشہ چیں و دست نگر ہیں (المحدثون بعدہ عیال علی کتبہ)۔ اس کتاب (مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ ص ۶۹، طبع ۱۳۵۷ھ) میں حضرت سعید بن مسیب کا قول امام زہری، امام مالک اور نیچے کی پوری سند کے ساتھ یوں منقول ہے:

لیس من شریف ولا عالم ولا ذی سلطان الا و قید عیب لا یدّ ولكن من الناس من لا تذکر عیوبہ من کان فضله اکثر من نقصه وهب نقصه من فضله	کوئی بزرگ، عالم اور حاکم ایسا نہیں ہے جس میں لازماً کوئی نہ کوئی عیب نہ ہو، لیکن لوگوں میں سے جس کے عیوب کا چرچا نہ ہو اور جس کے فضائل اس کے نقائص سے زیادہ ہوں، اس کا نقص اس کے فضل کی بنا پر زائل ہو جائے گا۔
---	---

پھر امام شافعی کا قول مع سلسلہ اسناد درج ہے:

لا اعلم احداً اعطی طاعة الله حتى لم یخلطها بمعصية الله الا یحیی بن زکریا علیه السلام، ولا عصی الله فلم یخلط بطاعة فاذا کان الاغلب الطاعة فهو المعدل و	میرے علم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے اللہ کی اطاعت کی ہو اور پھر اس میں اللہ کی نافرمانی کی آمیزش نہ کی ہو سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے اور کوئی ایسا بھی نہیں ہے جس نے اللہ کی نافرمانی کی ہو
---	--

اذا كان الاغلب المعصية فهو المجرع - مگر اس کے ساتھ اطاعت بھی نہ کی ہو پس جس کی

اطاعت انقلب ہو تو اسے عادل قرار دیا جائے گا

اور جس کی معصیت غالب ہو اسے مجروح ٹھہرایا جائیگا

اسی طرح ابراہیم المرتضیٰ عبداللہ بن مبارک کا قول نقل کرتے ہیں کہ ان سے راوی عدل کی صفات فرما

کی کہیں تو انہوں نے فرمایا:

جس شخص میں پانچ خصائل ہوں، نماز باجماعت پڑھے

من كان فيه خمس خصال: يشهد

اور شراب نہ پیے اور اس کے دین میں خرابی نہ ہو اور

الجماعة ولا يشرب هذا الشراب ولا تكون

جھوٹ نہ بولے اور ناقص العقل نہ ہو۔

في دينه خديعة ولا يكذب ولا يكرن في

عقله شيء -

اس قول پر اٹکھانی کے حاشیہ نگار لکھتے ہیں کہ اس قول کی تائید قرآن کی اس آیت سے ہوتی ہے: اِنَّ

الْحَسَنَاتِ يُبْذِهِنَّ السَّيِّئَاتِ - پھر حاشیہ میں شعر لکھتے ہیں:

و من ذالذی ترضی سبحایاہ کلدہ

کفی المرء نبلاً ان تعدّ معایبہ

داور کون ایسا ہے جس کے سب خصائل پسندیدہ ہوں۔ آدمی کے شرعیہ نفس ہونے کے لیے یہ

کافی ہے کہ اس کے عیوب بس گنے جاسکتے ہوں۔

سب سے آخر میں خطیب بغدادی اپنا حکمہ پیش فرماتے ہیں:

اور ہمارے نزدیک واجب ہے کہ روایت و شہادت

والواجب عندنا ان لا یرد الخبر ولا

صرف ایسے عصیان کی بنا پر رد کی جائے جس کے بار

الشهادة الا بعصیان قد اتفق علی رد الخبر

میں سب کا اتفاق ہو کہ اس کی بنا پر حدیث اور شہادت

والشهادة به وما یغلب به ظن المحاکم

رد کی جانی چاہیے اور جس سے ساکم اور عالم کو نین غالب

والعالم ان مقتضاه غیر عادل ولا مامون

حاصل ہو جائے کہ اس عصیان کا ترکب غیر عادل

علیه الکذب فی الشهادة والخبر۔ ولو عمل

العلماء والحکام علی ان لا یقبلوا خیرا ولا  
شہادۃ الا من مسلم یرئی من کل ذنب  
قل او کثر لم یمکن فبول شہادۃ احد و  
لا خیرۃ لان اللہ تعالیٰ قد اخبر بوقوع  
الذنوب من کثیر من انبیاءہ ورسلہ -

ہے اور نظر ہے کہ وہ گواہی یا روایت میں جھوٹ بولے گا۔  
اگر علماء و حکام ایسا کرنے لگیں کہ وہ مسلمان کی روایت  
یا شہادت اس وقت تک قبول نہ کریں جب تک کہ  
وہ ہر فعل یا کثیر گناہ سے پاک نہ ہو، تو پھر تو کسی کی  
شہادت و روایت قبول کرنا ممکن نہ ہوگا کیونکہ اللہ  
تعالیٰ نے بہت سے انبیاء و رسل سے بھی وقوع  
ذنب کی خبر دی ہے۔

عدالت اور اس کے احکام کے بارے میں حافظ المخطیب کی جو توضیحات اوپر درج ہوئی ہیں، ان  
میں ہمیں عدالتِ رواۃ کا ایک ایسا تصور ملتا ہے جو باعتبار عقل و نقل بالکل صحیح اور افراط و تفریط سے  
بری ہے۔ اس سے کوئی مختلف موقف اختیار کرنے کی صورت میں نہ صرف عدالتِ صحابہ کے متعلق اشکالات  
پیدا ہوتے ہیں، بلکہ صحابہ کرام سے نیچے کے طبقاتِ رجال اور ان کے واسطے سے ہم تک آنے والا  
ذخیرہ حدیث بھی محفوظ و مامون نہیں رہتا۔ پھر اگر کوئی شخص انصاف کی نظر سے دیکھے تو عدالت کی ان تعریفات  
کی روشنی میں عثمانی صاحب کے ان ایرادات میں بھی کوئی وزن باقی نہیں رہتا جو انہوں نے اس ضمن میں خلافت و  
ملکیت کی عبارتوں پر پیش فرمائے ہیں تاہم ان کا جائزہ لیتے ہوئے آئندہ سلور میں ان کی حقیقت بھی واضح  
کی جا رہی ہے۔

مولانا مودودی پر غلط الزام | سب سے پہلے ”البلاغ“ میں مولانا مودودی کی درج ذیل عبارت کو ہدف  
بنایا گیا ہے:

”یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی شخص سے کوئی کام عدالت کے منافی سرزد ہونے کا نتیجہ  
یہ ہو سکتا ہے کہ صفت عدالت اس سے بالکل غنتی ہو جائے اور ہم سرے سے اس کے عادل ہونے  
ہی کی نفی کر دیں اور وہ روایت حدیث کے معاملے میں ناقابل اعتماد ٹھہرے؟ میرا جواب یہ ہے کہ  
کسی شخص سے ایک و یا چند معاملات میں عدالت کے منافی کام کر گزرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس

کی عدالت کی کلی نفی ہو جائے اور وہ عادل کے بجائے فاسق قرار پائے، ورنہ مالک کے اس کی زندگی میں مجموعی طور پر عدالت پائی جاتی ہو۔

اب مدیر البلاغ کا کارنامہ ملاحظہ ہو کہ توجیہ القول بمالایرضی قائلہ سے کام لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر مولانا مودودی کا یہ مفہوم ہے کہ صحابہ کرام صرف روایت حدیث کی حد تک عادل ہیں، ورنہ اپنی عملی زندگی میں وہ (معاذ اللہ) فاسق و فاجر بھی ہو سکتے ہیں تو یہ بات ناقابل بیان حد تک غلط اور خطرناک ہے۔ اب ایک طرف مولانا مودودی کے محتاط الفاظ رکھیے کہ وہ صرف اتنی بات کہہ رہے ہیں کہ کسی شخص کے چند معاملات میں "عدالت کے منافی" کام کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عادل کے بجائے فاسق قرار پاتے اور دوسری طرف مدیر موصوف کا عدل و انصاف دیکھیے کہ وہ اس مفہوم کو ان الفاظ کا خود ساختہ جامہ پہنا رہے ہیں کہ صحابہ کرام اپنی عملی زندگی میں فاسق و فاجر بھی ہو سکتے ہیں۔ میں اس طرز استدلال پر اس سے پہلے بھی تنبیہ کر چکا ہوں جبکہ ذاتی مفاد کے الفاظ میں سے امیر معاویہ پر مفاد پرستی کا وحشت ناک الزام برآمد کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور میں نے چند مثالیں اور پھر مولانا منقح محمد شفیع کی عبارتی نقل کر کے اس طریق بحث کی غلطی واضح کر دی تھی۔ مگر صد حیف و صد افسوس کہ عدالت صحابہ والی بحث میں پھر بالکل وہی صورت پیش ہے۔ اب میں بقول شاعر صرف یہ دعا ہی کر سکتا ہوں کہ :

یارب وہ نہ سمجھے ہیں، نہ سمجھیں گے مری بات

دل اور دے ان کو جو نہ دے مجھ کو زبان اور

پھر مزید غضب یہ ہے کہ مولانا عثمانی صاحب بناء الفاسد علی الفاسد کے اصول پر پہلے تو مولانا مودودی کے منہ میں زبردستی یہ الفاظ ٹھونکتے ہیں کہ صحابہ کرام اپنی عملی زندگی میں فاسق و فاجر ہو سکتے ہیں اور پھر اس فاسد اور فرضی بنیاد پر دوسرا ردایہ جمانے ہیں کہ اگر کسی صحابی کو فاسق و فاجر مان لیا جائے تو آخر روایت حدیث کے معاملے میں مولانا مودودی اس کے اعتماد کو یہ کہہ کر کیسے مجال کر سکتے ہیں کہ "کبھی کسی فریق نے کوئی حدیث اپنے مطلب کے لیے اپنی طرف سے گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کی، نہ کسی صحیح حدیث کو اس بنا پر جھٹلایا کہ وہ اس کے مفاد کے خلاف پڑتی ہے" حالانکہ فاسق و فاجر تو درکنار

مولانا مودودی نے اس مقام پر "فتق" یا "فجور" کا لفظ بھی استعمال نہیں کیا، صرف "عدالت کے منافی کام" کا لفظ لکھا ہے، بلکہ "فاسق" ہونے کی تو اٹھا یہ کہہ کر تروید کی سے کہ عدالت کے منافی کام سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی شخص عادل کے بجائے فاسق قرار پاتے۔

مولانا نے اس بحث کے آغاز میں عدالت صحابہؓ کا صحیح مطلب جو بیان کیا ہے، وہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

« میں الصحابة کلہم عدول صحابہ سب راستباز ہیں، کا مطلب یہ نہیں تھا کہ تمام صحابہؓ بے خطا تھے، اور ان میں کا ہر ایک فرد نہ فرس کی بشری کمزوریوں سے پاک تھا اور ان میں سے کسی نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ بلکہ میں اس کا مطلب یہ لیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے یا آپ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں کسی صحابی نے کبھی راستی سے ہرگز تجاوز نہیں کیا ہے»

عدالت صحابہؓ کا صحیح مفہوم | میں سمجھتا ہوں کہ عدالت صحابہؓ کی اس سے بہتر اور حکم تر تعریف اور نہ نہیں ہو سکتی ہمارے بہت سے نامور علماء و محدثین نے عدالت صحابہؓ کی یہی تعریف بیان کی ہے جن میں سے چند نمونے میں یہاں نقل کرتا ہوں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ متون کلامیہ میں یہ جو لکھا ہے کہ صحابی پر طعن نہ کرنا چاہیے، تو اس کا مطلب کیا ہے؟ حالانکہ حدیث کی رو سے امیر معاویہؓ کو ملک عضوض اور باغی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ جواب میں شاہ صاحب فرماتے ہیں:

« آنچه در متون عقائد مرقوم است کہ صحابی را طعن نباید کرد درست است۔ اما روایت حدیثی کہ متضمن وجہ از وجہ طعن در بعضی صحابہ باشد با کے ندارد و بالجمله غرض اصحاب متون باین ادب صحابیت است نہ آنکہ صحابہ کلہم معصوم اند و وجہ از وجہ طعن نہ داشتند۔۔۔۔۔ و آنچه در کتب اصولیہ مرقوم است کہ الصحابة کلہم عدول، پس مراد آنست کہ صحابہ کلہم در تقاضا حدیث از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مامون و معتبر اند۔ ہرگز از ایشان کذب در روایت حدیث نشد۔ چنانچہ تجربہ و تحقیق زرسیدہ کہ در مقدمات دیگر از اینہا دروغ گفتہ باشند نہ آنکہ مصدر گنا ہے

نشہ اند۔ چنانچہ عنقریب گذشت کہ بعضے از اینها در حضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار تکاب کبیرہ محدود گشتہ . . . .“ (فتاویٰ عزیزیہ جلد اول صفحہ ۹۹-۱۰۱-کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند)۔

اس عبارت کا ترجمہ فتاویٰ عزیزی مترجم، سعید ایڈکسپنی کراچی ص ۲۱۶-۲۱۷ پر یوں درج ہے:

”علم عقاید کے مثنون میں جو مذکور ہے کہ صحابی کی شان میں طعن نہ کرنا چاہیے تو مثنون میں جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے۔ لیکن کسی حدیث کی روایت جو متضمن ہو کسی وجہ کو وجوہ طعن سے، خواہ بعض صحابہ کے بارے میں ہو، تو اس روایت سے عقاید کے اس مسئلے میں کچھ حرج لازم نہیں آتا ہے اور اصحاب مثنون کی یہ مراد نہیں کہ سب صحابہ معصوم ہیں اور کوئی وجہ وجوہ طعن میں سے کسی صحابی میں نہیں . . . . اور کتب اصول میں جو مرقوم ہے کہ سب صحابہ عادل ہیں، تو اس سے مراد یہ ہے کہ سب صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں معتبر ہیں مگر صحابہ سے کذب روایات حدیث میں نہیں ہوا۔ چنانچہ تجربہ و تحقیق سے ثابت نہ ہوا کہ کسی بارہ میں کسی صحابی نے کچھ دروغ کہا ہے، نہ یہ کہ ان میں سے کسی سے کچھ گناہ کبھی نہ ہوا ہو۔ چنانچہ عنقریب بیان ہوا کہ ان لوگوں میں سے بعض حضور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب از تکاب بعض کبار کے محدود ہوئے“

اسی فتاویٰ عزیزی مترجم ص ۳۲۹ سے ایک اور جواب بھی قابل ملاحظہ ہے:

”اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ الصحابہ کلام عدول یعنی صحابہ سب عادل ہیں۔ اس عقیدے کے بارے میں بارہا حضرت ولی نعمت اللہ مرحوم (شاہ ولی اللہ والد ماجد شاہ عبدالعزیز صاحب) قدس اللہ سرہ کے حضور میں بحث اور گفتیش واقع ہوئی تھی۔ آخر میں یہی منقطع ہوا کہ اس جگہ عدالت کے متعارف معنی مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ حدیث کی روایت میں بیعت ہے کہ صحابہ سب عادل ہیں اور کسی دوسرے امر میں قطعی طور پر عادل ہونا مراد نہیں۔ حدیث کی روایت میں جس عدالت کا اعتبار ہے، اس سے مراد ہے پرہیز کرنا روایت میں قصداً دروغ کہنے سے اور پرہیز کرنا اس بات سے کہ اس سے روایت میں انحراف ہونے کا



خوف ہو یہ ہم نے سب صحابہ کی سیرت کی تحقیق کی، یہاں تک کہ ان صحابہ کی جو کہ عقیدہ اور باہمی مخالفت میں مبتلا ہوتے تھے، ان کی سیرت کی بھی تحقیق کی تو میں نے سب صحابہ کو ایسا پایا کہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو، اس بات کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جائے، یہ سخت گناہ ہے۔ اور ایسی بات کہنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو اور جو حقیقت نہ ہو، اس بات سے صحابہ نہایت پرہیز کرتے تھے۔

چنانچہ یہ امر اہل سیر پر ظاہر ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اس عقیدے کا کچھ نشان سابق کی کتب عقائد میں نہیں اور نہ سابق کی کتب کلام میں ہے۔ یعنی یہ امر متقدمین علماء کے نزدیک مستحکم تھا۔ اس وجہ سے اس میں کچھ بحث کی نوبت نہ آئی اور اسی وجہ سے سابق کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں۔ صرف متاخرین محققین نے اس کا ذکر اصول حدیث میں کیا ہے، وہاں جہاں روایہ کے طبقات کی تعدیل بیان کی ہے پھر علماء نے یہ عقیدہ ان کتابوں سے عقائد کی کتابوں میں نقل کیا۔ اور یہ ان لوگوں نے نقل کیا ہے کہ جن لوگوں نے بلاغور و تعین حدیث اور کلام میں غلط کیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ عدالت جس سے علماء اصول کی غرض منتقل ہے، وہ عدالت مراد ہے کہ جس کا اعتبار روایت میں ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ پرہیز کیا جائے روایت میں قصداً دروغ کہنے سے اور پرہیز کیا جائے اس امر سے کہ جس سے نقل میں انحراف ہونے کا خوف ہو۔ دوسرے اور معنی نہیں تو اس صورت میں اس کلمہ میں مطلقاً اشکال نہیں، واللہ اعلم“

امام ابن تیمیہ منہاج السنہ جلد اول ص ۲۲۹ مطبوعہ الامیر، مصر، ۱۳۲۱ھ پر فرماتے ہیں:

«الصحابة ثقاتٌ صادقون فيما يخبرون به عن النبي صلى الله عليه وسلم و  
اصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم و الله الحمد من اصدق الناس حديثاً  
عند لا يعبر منهم من تعدد عليه كذا ما مع انه كان يقع من احدهم من العتات

ما یقع ولہم ذنوب و لیسوا معصومین ومع هذا فقد جرب اصحاب النقر و الامتحان احادیثہم و اعتبروها بما تعتبر الاحادیث فلم یوجد من احد منهم تعدد کذبة۔

”صحابہ کرام سب ثقہ راوی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ روایت کرتے ہیں اس میں وہ سچے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب الحدیث نبی کریم سے حدیث بیان کرنے میں سب لوگوں سے زیادہ صادق ہیں۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں معلوم ہو سکا جس نے آنحضرت پر عمداً جھوٹ بولا ہو حالانکہ انہی صحابہ کرام میں سے بعض سے کمزور یا صادر ہوئیں ہیں، مگر واقعہ ہے اور ان سے گناہ بھی سرزد ہوتے اور وہ معصوم نہ تھے۔ اس کے باوجود نقد و جرح کرنے والے محدثین نے صحابہ کرام کی احادیث کو چھان بھٹک کر دیکھا اور جس طرح احادیث کی جانچ اور موازنہ کیا جاتا ہے، اس طرح پرکھ کر دیکھا، لیکن کوئی ایک صحابی بھی ایسے نہ پائے گئے جنہوں نے عمداً کذب بیانی کی ہو۔“

اس کے بعد ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ ”امیر معاویہ منیر مدینہ پر جو حدیث بیان فرماتے تھے، اس کی بھی جانچ پڑتال کی جاتی تھی اور یہی کہا جاتا تھا کہ حدیث کے معاملے میں انہیں متہم نہیں سمجھا جاسکتا۔ اور سیرت ارطاة کی سیرت کے بارے میں جو کچھ مشہور و معروف ومع ماعرف منہ ہے، اس کے باوجود ان سے دور روایات ابوداؤد میں موجود ہیں، کیونکہ جملہ صحابہ کرام کا صدق علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسلم امر ہے۔“

استاذ عبدالوہاب (کلیتہ الشریعہ، الانہیر) نے ”تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی“ پر جو حواشی تحریر کیے ہیں، ان میں وہ الصحابہ کلام عدول کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”لا یقع فیہم ذنب و لایقع ولا یوثق فی قبول مر و یا تصد (صحابہ کرام سے یا تو گناہ صادر نہیں ہوتا، یا ہوتا ہے مگر ان کی روایت کہ وہ احادیث کی قبولیت پر اثر انداز نہیں ہوتا)۔ اس کے بعد وہ محدث ابن الانباری و دیگر علماء کے اقوال کے ساتھ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی نقل کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

وقال شاہ ولی اللہ الدہلوی: وبالنتیجہ ہم نے تتبع کے بعد معلوم کیا ہے کہ تمام صحابہ اس بات

وجدنا ان جميع الصحابة يعتقدون ان ان الكذب على رسول الله (شذوذ الذنوب ويحترزون عنه غاية الاحتراس -

کے مقصد تھے کہ رسول اللہ کی جانب جھوٹ منسوب کرنا شدید ترین گناہ ہے اور صحابہ کرام اس سے غایت درجہ پرہیز کرتے تھے۔

تدریب الراوی، المكتبة العلمية بالمدينة المنورة، ص ۲۰۲، طبع ۱۳۶۹

مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی فاضل دیوبند اپنی کتاب ”فہم قرآن“ (ص ۱۳۲؛ مطبوعہ ۱۳۵۹) پر عدالت سے مراد کے زیر عنوان فرماتے ہیں:

”یہاں اس امر کی تصریح کر دینی ضروری ہے کہ صحابہ کی عدالت سے مراد کیا ہے؟ اصل یہ ہے کہ اصول حدیث کی اصطلاح میں عدالت کے معنی جھوٹ نہ لہونا ہیں۔ پس ہم صحابہ کو جو عادل کہتے ہیں تو اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ وہ بے گناہ اور معصوم ہیں، بلکہ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ان میں کسی کی طرف کذب کا اتساب نہیں کیا جاسکتا، یعنی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کسی صحابی نے عمدًا و قصدًا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کی ہے جو آپ نے نہیں فرمائی۔ اس کا دعویٰ کسی محدث نے نہیں کیا کہ صحابہ انبیاء کی طرح معصوم ہیں اور ان سے احتیاط و تقویٰ کے خلاف کوئی فعل صادر نہیں ہو سکتا چنانچہ علامہ ابن الانباری کا قول ہے: لیس المراد بعدلہم ثبوت العصمة لهم واستحالة المعصية منهم. وانما المراد قبول ما دیا یا تم من غیر تکلف البحت عن اسباب العدالة وطلب التزكية الا ان يثبت امر تكاب فادح و لم يثبت ذلك زہمتوں کے بعد سے یہ مراد نہیں کہ صحابہ بالکل معصوم ہیں اور ان سے معصیوں کا صدور ہونا محال ہے، بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ اسباب عدالت اور تزکیہ کی طلب سے متعلق بحث کے بغیر ان کی روایتیں قبول کی جائیں گی۔ مگر ہاں اس صورت میں جبکہ کسی امر فادح کے ارتکاب کا ثبوت ہم پہنچ جائے اور یہ ثابت نہیں ہے۔“

لہ بحوالہ ارشاد الغول” للشوکانی

محدث ابن الانباری کا یہ قول نواب سید محمد صدیقی حسن خاں صاحب نے اپنی کتاب ہنح الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول ص ۱۶ پر بھی عدالت صحابہ کی بحث میں ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے :

”و ابن الانباری کفتمہ مراد بعدالت ایشاں ثبوت عصمت برائے ایشاں و استحالة مصیبت برایشاں نیست، بلکہ مراد قبول روایات ایشاں است بغیر تکلف بحث از اسباب عدالت و طلب تزکیہ مگر آنکہ ارتکاب قادی ثابت شود حال آنکہ این ارتکاب ثابت نشده“  
مولانا ابوالحسنات عبدالحی کھنوی کے مجموعہ فتاویٰ حصہ سوم ص ۱۳ (مطبوعہ ۱۳۰۹ھ، مطبع شرکت اسلام، کھنؤ) پر عدالت صحابہ سے متعلق ایک سوال و جواب یوں درج ہے :

سوال : در عقیدہ اہل سنت الصحابة کلمہ عدول، مراد از عدالت چیست ؟

جواب : این عقیدہ نہ در کتب قدیمہ عقائد است و نہ در کتب علم کلام بلکہ این فقرہ را محدثین در اصول حدیث بمقام بیان تعدیل طبقات رواۃ می آرند و کسیکہ این را در عقائد درج کرده است، از ہما نجا آورده باشد۔ و مراد از عدالت پرہیز کردن از قصد کذب در روایت است و فی الحقیقت تمام صحابہ متصف بعدالت کذائی بودند و کذب علی النبیؐ را اشد گناہ می پنداشتند۔“

ترجمہ : یہ عقیدہ نہ تو عقائد کی کسی قدیم کتاب میں ہے اور نہ علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے۔ البتہ محدثین یہ بات اصول حدیث میں راویوں کی تحقیق و تعدیل کی بحث میں بیان کرتے ہیں جس میں کسی نے اسے عقائد میں درج کیا، اسی جگہ سے لیا ہوگا۔ اور عدالت کے معنی ہیں روایت کے اندر کذب کے ارادے سے پرہیز کرنا اور درحقیقت تمام صحابہ اس عدالت کے ساتھ متصف تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت کرنے کو بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ (یہ جواب فتاویٰ مولانا عبدالحی مترجم ص ۵۵ میں بھی دیکھا جاسکتا ہے)

۱۔ محمد بن بشار المعروف ابو بکر بن الانباری (متوفی ۳۲۸)، کا شمار نامور حفاظ الحدیث میں ہوتا ہے۔

آپ تصانیف کثیرہ کے مالک ہیں۔

الصحابۃ کلمہ عدول کا صحیح مطلب ان سارے اقتباسات سے واضح ہو جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اصول محدثین نے لغو و جرح کے بعد وضع کیا ہے۔ اس سلسلے میں مزید یہ امر بھی قابلِ ذکر و ملاحظہ ہے کہ خلفائے راشدین اور بہت سے صحابہ کرام کا اپنا معمول یہ تھا کہ وہ صحابی کی روایت قبول کرنے سے پہلے اس سے بھی مزید شہادت یا حلف کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں الصحابۃ کلمہ عدول کے اصول نے اجماعی کلیہ و مسلک کی حیثیت اختیار نہ کی تھی۔

بہر کیفیت اہل سنت کے علماء و محدثین کے ہاں یہ دو باتیں نہایت واضح اور مسلم ہیں۔ ایک یہ کہ صحابہ کرام سے صدور کبار و معاصی ممکن ہے اور واقع ہوا ہے۔ دوسری یہ کہ عدالت صحابہ کا اصول روایت حدیث سے متعلق ہے اور اس سے مراد مفہوم یہ ہے کہ کوئی صحابی اراداً و عدلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے کوئی غلط بات منسوب نہیں کر سکتا۔ ان دونوں باتوں کے مابین عقلی اور واقعاتی اعتبار سے قطعاً کوئی منافات یا تناقض نہیں ہے۔ اس کے بعد بھی جو شخص یہ کہتا ہے کہ خلافت و ملوکیت میں امیر معاویہ یا کسی دوسرے صحابی رسول کی طرف فلان اور فلان گناہ منسوب کر دینے سے صحابہ کرام کی عدالت مجروح ہوتی ہے یا اس سے عقیدہ و ایمان خراب ہوتا ہے، اس شخص کے غلط قول کی زد میں صرف خلافت و ملوکیت یا کتب تواریخ ہی نہیں آتیں، بلکہ اس کی زلف و نصوص کتاب و سنت اور حدیث، تفسیر، فقہ، عقائد، اصول اور کلام کی بے شمار کتابوں اور ان کے جلیل القدر مصنفین پر بھی لازماً پڑتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کتابوں میں وہی باتیں، بلکہ دوسری شدید تر باتیں درج ہیں، جن کے بہت سے نمونے میں اب تک نقل کر چکا ہوں، اور آئندہ بھی مجھے کرنے پڑیں گے۔ مدیر البلاغ نے ایک سراسر غلط اور بے دلیل موقف پر اصرار کرتے ہوئے پہلے تو خلافت و ملوکیت سے گیارہ افعال کی ایک باقاعدہ ترتیب وار فہرست مرتب کی ہے اور ہر فعل کو اپنے الفاظ سے ناک مریج لگا کر خوب ہوننا کہ بنایا ہے اور پھر وہ پوچھتے ہیں کہ ان جرائم کو ایک دو یا چند گناہ کر گزرنے سے تعبیر کرنا کیا اسی لیب پوت کی تعریف میں نہیں آتا جس سے مولانا مودودی بچنا چاہتے ہیں، میں عزیز محمد تقی صاحب عثمانی سے کہتا ہوں کہ آپ کے پاس جو خلافت و ملوکیت کا نسخہ ہے، آپ چاہیں تو اس میں "ایک دو یا چند" کے بجائے گیارہ یا

اس سے اوپر کا کوئی عدد درج کریں، نقرہ اپنی جگہ پر پھر بھی صحیح اور بے غبار رہے گا۔ البتہ اس بات کا بڑا دکھ اور ملال ہے کہ مولانا نے جو باتیں مجمل اور محتاط طریق پر چند سطروں میں بیان کی تھیں، مدیر البلاغ نے ان پر بحث کر کے مجھے مجبور کر دیا کہ ان میں سے ایک ایک کو کھول کھول کر بیان کروں اور اس کا ثبوت بھی پیش کر دوں۔

صحابہ کرام سے کذب فی الحدیث کیوں محال ہے؟ | مدیر البلاغ نے اس استدلال کو بھی بار بار دہرایا ہے کہ ایک صحابی اگر اپنے ذاتی مفاد کے لیے ایسے اور ایسے گناہ کے کام کر سکتا ہے تو وہ اپنے مفاد کے لیے جھوٹی حدیث کیوں نہیں گھر سکتا؟ مجھے تو دینی مدارس میں منطق و معقول پڑھنے کا شرف حاصل نہیں ہو سکا، لیکن جن لوگوں نے ان مدرسوں سے سند فراغ حاصل کی ہے، انہیں اتنی بات تو سمجھ لینی چاہیے کہ ایک گناہ خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اس سے دوسرے گناہ کا صدور لازم نہیں آتا، بلکہ اس کا صرف اشتباہ یا امکان پیدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص اگر شرب خمر کا مرتکب ہو، تو یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جھوٹی حدیث بھی بیان کرے گا، البتہ ایک گمان یا شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اب چونکہ دوسرے مجروح راویوں کے متعلق اس ظن یا امکان کو دفع کرنے والی کوئی یقینی شے نہیں، اس لیے ان کی روایت قابل قبول نہ ہوگی۔ لیکن صحابہ کرام کے بارے میں جب محدثین نے باقاعدہ استقصاء و استقراء کے بعد یہ معلوم کر لیا کہ وہ زندگی کے دوسرے معاملات میں خواہ کوئی گناہ نہ کر بیٹھیں، حتیٰ کہ وہ کسی دوسرے پر جھوٹی تہمت و ذمہ داری ہی کے مرتکب کیوں نہ ہوں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی غلط بات کا اتساب ہرگز ہرگز نہیں کریں گے، تو پھر عثمانی صاحب آخر محض عقلی تیرکتے لڑا کر یہ استدلال کس بل بوتے پر کر رہے ہیں کہ جس صحابی سے دس یا بیس گناہ سرزد ہو سکتے ہیں، وہ کذب فی الحدیث کیوں نہیں کر سکتا؟ صحابی سے کبائرتک کے صدور سے انکار تو کسی کو ہے نہیں، تو کیا اب انکار حدیث کے لیے آپ ایک نیا نکتہ اور دلیل فراہم کر رہے ہیں اور منکرین حدیث کے ہاتھ میں ایک تیا ہتھیار دینا چاہتے ہیں؟

اب تک کی بحث سے الحمد للہ یہ حقیقت نکھر کر سامنے آگئی کہ صحابہ کرام سے خواہ کیسی اور کتنی ہی خطاؤں کا صدور ہو، ان سے کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارتکاب قطعاً محال ہے۔ اس کے بعد البتہ یہ سوال

اور یہ اشکال ذہن میں پیدا ہو سکتا ہے کہ جب بڑے سے بڑے کبار صحابہ کرام سے صادر ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ کسی ایک صحابی سے جھوٹی حدیث بیان کرنے کی غلطی سرزد نہیں ہوتی؟ عثمانی صاحب اور ان جیسے دوسرے حضرات کے طرز بحث سے میں نے محسوس کیا ہے کہ یہ دوسرے بعض ایسے لوگوں کے دلوں میں بھی پیدا ہو گیا ہے جو ویسے صحابہ کرام کی عدالت فی الروایت اور ان کی عدم عصمت دونوں کے قائل ہیں، اس لیے میں مختصراً مسئلے کے اس پہلو پر بھی محض اطمینان قلب کے حصول کی خاطر روشنی ڈالے دیتا ہوں۔

یہ بات بالکل ظاہر و باہر ہے کہ صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل الخلائق تھے مگر شہری خصائص سے پاک نہ تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی تربیت و تعلیم کے باوجود صحابہ کرام سے غلطیاں ہو جاتی تھیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کی مشیت و حکمت اس امر کی نقضی تھی اور انھیں کبھی زبردست خواہش و تمنا تھی کہ کم از کم ایک غلطی ایسی ہے جو صحابہ کرام کی سیرتوں میں سے کلی طور پر معدوم ہو جانی چاہیے اور وہ غلطی یہی ہے کہ کوئی صحابی خدا نخواستہ کوئی غلط بات اللہ کے رسول کی طرف منسوب نہ کرنے پاتے۔ دوسری غلطیوں کے اثرات تو ایک ذات یا چند افراد تک محدود ہو سکتے ہیں، مگر صحابہ کرام کی حدیث میں غلط بیانی سے تو پورا دین مشتبہ ہو جائے گا۔ اس خدشے کے سدباب کی جتنی فکر آنحضرت کو تھی اور اس کے سدباب کا جتنا اہتمام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے خیال میں آپ نے تردید شریک کے ماسوا کسی اور معاملے میں نہیں فرمایا آپ نے بار بار صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا: من کذب علی متعمداً فلیقتلوا مقعداً من النار رجوعاً عنہما۔ مجھ پر جھوٹ باندھے، وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے، تقریباً دو سو سے زائد صحابہ کرام ہیں جنہوں نے اس ارشاد مبارک کو روایت کیا ہے، حتیٰ کہ محدثین کا بیان ہے کہ جس حد تو اتنا تک یہ حدیث پہنچی ہے، کوئی دوسری حدیث نہیں پہنچی۔ اکثر صحابہ کرام نبی کریم کا کوئی ارشاد نقل کرنے وقت پہلے یہ حدیث سناتے تھے اور ان کا حال یہ ہوتا تھا کہ چہرہ متغیر ہو جاتا تھا اور بدن کے رنگے کھڑے ہو جاتے تھے۔ بہت سے صحابہ اس ڈر کے مارے کہ کہیں کوئی غلط بات منہ سے نہ نکل جائے، زیادہ احادیث بیان نہیں کرتے تھے۔

لے بخاری، ابواب العلم اور دوسرے بے شمار مقامات پر یہ حدیث وارد ہے۔

محدثین کا بھی یہی حال تھا کہ وہ اس حدیث کو کثرت سے بیان کرتے تھے اور کئی ایک نے مجموعہ ہائے احادیث کا آغاز اسی حدیث سے کیا ہے پھر پوری طرح چوکتا ہو کر حدیث بیان کر لینے کے بعد کہتے تھے ادکما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم (یا ایسا ہی کچھ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ نادانستہ آگ کی وعید کا مصداق نہ بن جائیں۔

پھر اس مضمون کی یہ ایک ہی حدیث نہیں ہے، بلکہ متعدد دیگر احادیث اس طرک کی وارد ہیں۔ مثلاً بخاری کتاب الجنائز اور دوسری کتابوں میں حضرت مغیرہ بن شعبہ وغیرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان کذباً علیٰ لیسین لکذب علیٰ احد من  
مجبہ پر جھوٹ باندھنا کسی دوسرے پر جھوٹ کے مانند  
کذب علیٰ قلیتہوا مقعدہ من الناس۔  
نہیں ہے جس نے مجھ پر جھوٹ بولا اُسے آگ میں اپنا  
ٹھکانہ بنا لینا چاہیے۔

بخاری، کتاب العلم میں حضرت علیؑ سے ایک روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

لا تکذبوا علی۔ من کذب علیٰ قلیلیہ  
مجبہ پر جھوٹ ہرگز نہ بولو۔ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا،  
وہ آگ میں داخل ہوگا۔

اسی طرح بخاری، مناقب قریش میں حضرت واہلہ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ سے نقل کرتے ہوئے انہوں نے بیان کیا:

ان من اعظم القری ان یقول علی  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما لو لقیلہ  
سب سے بڑا افتراء یہ ہے کہ ایک شخص رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وہ قول منسوب کرے جو  
آپ کا نہ ہو۔

حضرت ابو موسیٰ سے ایک روایت ہے کہ:

کان آخر ما عهد الینا ان قال سترجون  
الی قوم یحبون الحدیث عنی ومن قال علی  
آنحضرتؐ کی ہم سے آخری وصیت یہ تھی کہ فرمایا تم کو ان  
لوگوں سے سابقہ درپیش ہوگا جو میری حدیث سے محبت



مالہ اقل فلیتبتوا مقعدہ من الناس  
 کریں گے تو جو شخص مجھ سے ایسی بات منسوب کرے گا  
 جو میں نے نہ کہی ہو تو وہ اپنی جگہ آگ میں بنائے۔  
 (الکفایہ ۱۶۶)

اس مفہوم کی بہت سی دوسری احادیث ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی، مسند احمد اور تفسیر تباہر  
 دوسری حدیث کی کتاب میں موجود ہیں۔ ان شدید ترین تنبیہات و وعیدات کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ کرام کے  
 اندر سے کذب علیٰ ابنی کا جذبہ اس طرح سے محو ہو گیا کہ کوئی ایک صحابی بھی ایسے کبھی نہ پائے گئے جو اس  
 فعل کا ارتکاب کریں۔ حضرت علیؑ اور دوسرے بعض صحابہ سے بخاری اور دوسری کتابوں میں اس طرح  
 کا قول منقول ہے کہ ہمارا آسمان پر سے چھلانگ لگا دینا اس سے بعید تر ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم کی جانب جھوٹ منسوب کریں۔

حضرت علیؑ کا قول جو بخاری میں مروی ہے اور اسے الکفایہ ص ۱۵۲ پر بھی نقل کیا گیا ہے وہ یہ ہے:

فواللہ لان احدث من السماء احب

التي من ان اکذب علی رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم۔  
 خدا کی قسم میرے لیے آسمان پر سے کو دجانا آسان  
 ہے یہ نسبت اس کے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کروں۔

اسی کتاب کے صحابہ پر حضرت وکیعؒ نے حضرت اعمشؒ کا ایک قول صحابہ کرام کے متعلق روایت کیا ہے:

کان احدہم لان یحدث من السماء

احب الیہ من ان یزید فیہ واداً او الفأ  
 او دالاً۔  
 ان اصحاب میں سے ہر ایک کا حال یہ تھا کہ ان  
 کے لیے آسمان سے گر پڑنا اس بات کے مقابلے  
 میں قابل ترجیح تھا کہ وہ حدیث رسول میں واد  
 یا آفت یا دال کا اضافہ اپنی طرف سے کر دیں۔

صحابہ کرامؓ سے تمنا خائنہ بشریت بڑے بڑے گناہ واقع ہوتے اور صحابہ کرام کے بعد بعض  
 راویوں سے کذب فی الحدیث بھی رونما ہوا، مگر میں تو اس بات کو اللہ اور اس کے رسول کا ایک  
 عظیم نشان معجزہ اور صحابہ کرام کی سب سے بڑی کرامت سمجھتا ہوں اور اس میں حضرت معاویہؓ اور

ہر دوسرے صحابی کو برابر کا شریک و سہم سمجھنا ہوں کہ اگرچہ ان کے اندر سے صلاحیت کذب جیسی طور پر سلب تو نہ ہوئی، ان کے اندر سے دوسرے ذنوب بھی معدوم نہ ہوتے مگر آنحضرت پر چھوٹ بولنا بالکل معدوم اور قطعی طور پر یلیامیٹ ہو گیا۔ میں کہتا ہوں کہ جتنا بھٹی کے بجائے آئیے ہم سب مل کر اس نعمتِ عظیمہ کا شکر بجالائیں اور اس مغالطہ آمیز اور خطرناک استدلال سے خدا کی پناہ طلب کریں کہ جب ایک صحابی سے اور ہر گناہ کا صدور ہو سکتا ہے تو وہ ایک جھوٹی حدیث کیوں نہیں گھڑ سکتا؟

(باقی)

## سانحہ مسجدِ اقصیٰ

کیا مسجدِ اقصیٰ کی آتشزدگی کا سانحہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے — ؟

یا

اس کے پیچھے یہودیوں کے ناپاک عزائم اور امریکہ و برطانیہ کی اسلام دشمنی کا فرما ہے ؟ اس سوال کا مفصل و مدلل جواب مستقبل میں یہودیوں کے خوفناک منصوبوں اور ان منصوبوں کو خاک میں ملانے کے لیے مسلمانوں کو صحیح دعوتِ عمل ————— ! ان سب پہلوؤں پر

سید ابوالاعلیٰ مودودی

کی بصیرت افسوز تصریحات

پفلٹ سانحہ مسجدِ اقصیٰ میں ملاحظہ فرمائیں - قیمت فی کاپی ۴۰ پیسے

شائع کردہ: دفتر ترجمان القرآن، اچھرہ لاہور